© rasailojaraid.com

اسلامی مساوات اور قصاص کا تاریخی جائزہ

ریاض الحسن نوری، مشیر وفاقی شرعی عدالت

عبدالرحمن الجزیری اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں لکھتے ہیں:

السلطان یقص من نفسه

بادشاہ (یا صاحب اقتدار) خود بھی قصاص کا پابند ہوگا)

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بادشاہ اگر اپنی رعایا میں سے کسی پر ناروا زیادتی کرے تو اسے خود اس کی تلافی کرنا ہوگی کیونکہ وہ بھی افراد رعایا میں سے ایک فرد ہے۔ درحقیقت وصی یا وکیل کی طرح عوام کے مفاد کی نگہداشت اس پر لازم ہے۔ لیکن اس وجہ سے اس کو قصاص سے مستثنیٰ نہیں رکھا جاسکتا۔ جہاں تک احکام الٰہی کا تعلق ہے اس میں اور عامۃ الناس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (یعنی قتل کا قصاص تم پر فرض ہے) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک شخص نے ان سے شکایت کی فلاں حاکم نے ناحق اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "لئن کنت صادقا لاقید نک منہ" (یعنی اگر تو سچا ہے تو میں اس سے تجھے قصاص دلاؤں گا) اور نسائی میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک شخص ان پر جھپٹ پڑا۔ حضور نے کھجور کی خشک شاخ سے جو ان کے ہاتھ میں تھی اسے ضرب لگائی، اس پر وہ شخص چلانے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تعال فاستقد" (یعنی ادھر اس کا قصاص لے) اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے معاف کردیا اور ابوداؤد طیالسی نے ابوفراس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: الامن ظلمہ امیرہ فلیرفع ذلک الی اقیدہ منہ" (یعنی خبردار اگر کسی کے سردار نے کسی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی شکایت مجھے کرے تاکہ میں اس کا قصاص اس سے دلاؤں) اس پر حضرت عمرو بن عاص کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ:

یا امیر المؤمنین لئن ادب الرجل منا رجلا من اهل رعیته ، لتقصفه منه؟ قال: کیف لا اقصه منه ، وقد رأیت رسول اللّٰہ یقص من نفسه"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(یعنی اے امیر المؤمنین اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی رعایامیں سے کسی کی سرزنش کرے تو کیا آپ اس کا قصاص اس سے دلوائیں گے؟ فرمایا کیسے ممکن ہے کہ میں قصاص نہ دلاؤں؟ درآنحالیکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ خود قصاص دلاتے تھے) ابوداؤد اور سجستانی نے حضرت عمرؓ کی اس روایت کو بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے انہوں نے ہمارے سامنے یہ تقریر فرمائی کہ"

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ، ولا لیاخذوااموالکم فمن فعل ذلک بہ فلیرفعہ الی اقصہ منہ"

(یعنی میں نے اپنے اہل کاروں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ تمہارے چہروں پر تھپڑ لگائیں اور نہ اس لئے کہ تمہارے مال پر قبضہ کریں، اگر کوئی ایسا کرے تو چاہیے کہ میرے سامنے اس کی شکایت کی جائے میں اس سے قصاص دلواؤں گا۔ انہوں نے اسی مضمون کی حدیث بھی بیان کی۔(۱)

اس سلسلے میں مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا:

"اے امیر المؤمنین آپ کے ل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو اور مارو۔ حضرت عمرو بن العاصؓ پر یہ واقعہ نہایت گراں گزرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہوگا اور آئندہ کے لئے عام شاہراہ ہوجائے گی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اس سے کیونکر غماض کیاجاسکتا ہے، جبکہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے قصاص کیلئے پیش کرتے تھے، بالاخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کو دوسو دینار دیکر راضی کیا(۲)

مزید مولانا عبدالسلام ندوی اپنے کتاب "اسوہ صحابہ حصہ دوم صفحہ ۹۶ پر خلفائے راشدین سے قصاص لئے جانے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا، لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مارسکتا تھا، ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان فرمایا کہ "میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔ سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلااجازت نہ آئے۔ لیکن ایک آدمی ہاتھ میں مہار لئے ہوئے آیا اور بلااجازت ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس چلا گیا، انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا۔ جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ اسی مہار سے اپنا قصاص لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ سنت نہیں قائم کیجئے۔ بولے قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا" (۳)

اسی صفحہ پر عبدالسلام ندوی یوں لکھتے ہیں:

"ایک بار حضرت عمرؓ امور خلافت میں مشغول تھے، ایک شخص فریاد لے کر آیا، انہوں نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا، وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لے" (۴)

غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تعود کی بنا پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی۔ جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا، حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا "کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے۔ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکتا ہے۔ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا۔ (۵)

حاکموں سے قصاص کے متعلق سید صباح الدین لکھتے ہیں:

قصاص: محمود سلطان بیگڑہ ایک بار احمد نگر کی طرف شکار کیلئے گیا، راستہ میں اس کے ایک بہت ہی ممتاز امیر بہاء الدین بن الف خان عرف علاالدین ابن سہراب آدم نے سلطان کے سلاحدار کو بے قصور مار ڈالا اور مار کر کہیں فرار ہو گیا، سلطان نے اپنے دو امیروں ملک حاجی عمادالملک اور ملک عضدالملک کو حکم دیا کہ امیر بہاءالدین کو جہاں بھی ہو پکڑ لاؤ، ان دونوں نے امیر بہاءالدین کو پکڑ تو لیا، لیکن سازش کر کے دو لشکریوں کو سلطان کے سامنے جا کر یہ کہنے پر راضی کر لیا کہ ان دونوں نے سلاحدار کو قتل کیا ہے، امیر بہاءالدین بے قصور ہے، انہوں نے ان دونوں کو یہ بھی اطمنان دلایا کہ سلطان سے کہہ کر ان کی گلوخلاصی کرا لی جائے گی، دونوں لشکریوں نے سلطان کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کر لیا، سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اگر یہی مجرم ہیں، تو ان ہی کی گردن ماری جائے دونوں قتل کر دیے گئے، چند روز کے بعد سلطان کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو وہ برہم ہوا کہ دو مکار اور بد کردار امیروں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو مسلمانوں کو ناحق قتل کرایا، اگر ان کا قصاص ادا نہ کیا گیا تو قیامت کے دن خدائے رب العزت کیا منہ دکھاؤں گا، پھر سلطان نے حکم دیا کہ دونوں امیر بھی قتل کیے جائیں اور وہ قتل کردیے گئے، (مرآت سکندری ص: ۷۸-۶۸) (بحوالہ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں، ۱: ۱۹۱)

اب ہم سید صباح الدین کی کتاب سے چند اور مقدمے درج کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ خلفائے راشدین سے مغلیہ دور تک کسطرح مسلمان حکمران، شہزادوں اور حکام سے بھی قصاص لیتے رہے ہیں۔

عدل پروری: سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں بدایوں کا حاکم ملک نعیق تھا، بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا، اسکے رکاب میں چار ہزار سوار رہتے، ایک روز غصہ میں آ کر ایک فراش کو اس قدر مارا اور درے لگائے کہ وہ بیچارہ ہلاک ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد جب سلطان غیاث الدین بلبن اپنے شاہی دورہ پر بدایوں پہنچا مقتول فراش کی بیوہ فریاد لیکر سلطان کے پاس پہنچی، سلطان نے پوری تفصیل سننے کے بعد حکم دیا کہ نعیق کو بھی اتنے ہی درے لگائے جائیں، جتنے اس فراش کو لگائے گئے تھے، تاکہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہو، شاہی حکم کی تعمیل کی گئی، ملک نعیق درے کی مار برداشت نہ کرسکا اور وہ بھی ہلاک ہو گیا، سلطان بلبن کے حکم سے اس کی لاش شہر کے دروازہ پر لٹکا دی گئی تاکہ ظالم امراء اس کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول، ص: ۷۶)

تقاضائے انصاف: سلطان غیاث الدین بلبن کا ایک دوسرا ممتاز امیر ہیبت خان اودھ کا حاکم تھا، ایک روز اس نے سرمستی کے عالم میں ایک شخص کو ہلاک کردیا، مقتول کی بیوی سلطان بلبن کے پاس آئی اور انصاف کی طالب ہوئی، سلطان نے ہیبت خان کو پانچ سو درے لگائے جانے کا حکم دیا، پھر ہیبت خان کو اس بیوہ کے سپرد یہ کہہ کر دیا گیا کہ یہ شخص پہلے میرا غلام تھا، اب تیرا غلام ہے، تو چاہے اس کو قتل کرادے یا معاف کردے، ہیبت خان نے ممتاز امیروں کو بیچ میں ڈال کر سلطان سے سفارش کرائی اور اپنی جان بچانے کیلئے مقتول کی بیوہ کو تیس ہزار روپے خون بہا ادا کرنے کی پیشکش کی، سلطان نے یہ فیصلہ قبول کر لیا، لیکن ہیبت خان اس واقعہ سے اسقدر شرمندہ اور نادم ہوا کہ اس نے گھر سے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ ((تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص: ۷۶)(۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدل پروری میں جدت: سلطان زین العابدین کے عہد میں ایک عورت نے اپنی کنیز پر خون ناحق کا الزام لگایا، یہ عورت اپنی کنیز سے آزردہ تھی اس کو جانی نقصان پہنچانا چاہتی تھی، لیکن نقصان پہنچانا اس کے بس میں نہ تھا، اس لئے اس مکار عورت نے ایک رات اپنے چھوٹے بچے کو قتل کر دیا، اور صبح کو اپنی کنیز پر قتل کا الزام رکھ دیا، پھر سلطان کے پاس فریاد لیکر پہنچی، سلطان نے یہ معاملہ اپنے درباریوں کے سپرد کیا، جو کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے، سلطان نے اپنی فہم و فراست سے یہ قضیہ طے کر دیا، متہم عورت کو خلوت میں طلب کیا، اور اس سے کہا کہ اگر فی الواقع تم نے قتل کیا ہے تو مجھ سے اقرار کر لو، میں تمہارے قصور کو معاف کر دوں گا ورنہ پوری سزا پاؤ گی۔ عورت نے جواب دیا کہ آپ جو چاہیں کریں، لیکن میں نے بچہ کو قتل نہیں کیا ہے، سلطان نے کہا کہ اگر تم ہو تو برہنہ ہو کر دربار کے سامنے سے گزرتی ہوئی اپنے مکان واپس جاؤ، عورت نے سر جھکا کر کہا کہ آپ مجھ کو مار ڈالیں، یہ کہیں بہتر ہے، لیکن یہ بے شرمی اور بے حیائی مجھ سے نہیں ہو سکتی ہے، ایک تو غلط تہمت ہی سے خون کا آنسو رو رہی ہوں، پھر یہ حیاسوز کام کروں، سلطان نے یہ جواب سن کر اس کو رہا کر دیا، اور مقتول بچہ کی ماں کو اپنے حضور میں طلب کیا، اور اس سے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ، تمہارے بچہ کو کس نے قتل کیا، عورت نے جواب دیا کہ اگر میری بات کا یقین نہیں تو مجھ ہی کو قتل کر دیں، سلطان نے کہا کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچی ہو تو دربار کے سامنے برہنہ ہو سکتی ہو، عورت اس کیلئے تیار ہو گئی، اور کپڑے اتارنے کا ارادہ کیا، سلطان نے عورت کو اس بے حیائی سے روکا، اور فیصلہ دیا کہ اصلی مجرم یہی ہے، اور اس کو تازیانے لگانے کا حکم دیا، جس کے بعد عورت نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ (تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص: ۴۴۳۔۵۴) (۷)

فاتح گورنر مصر کے بیٹے سے قصاص: قرآن میں قصاص کا حکم ہے اسلئے نبی ﷺ نے بھی اپنے کو قصاص کیلئے پیش کیا اور اس سنت کی پیروی میں حضرت عمر نے فاتح مصر اور وہاں کے گورنر عمر بن العاص کے بیٹے کو ایک غیر مسلم کے مارنے کے قصاص میں کوڑے پٹوائے۔ یہ مشہور قصہ یوں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے سے ایک مصری غیر مسلم گھڑ دوڑ میں آگے نکل گیا۔ گورنر کے بیٹے نے غصہ میں آکر اسے یہ کہہ کر کوڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارے کہ تو مجھ سے آگے نکلتا ہے۔ حالانکہ مَیں عظیم باپ کا بیٹا ہوں ۔ اسکے بعد غیر مسلم نے دربار خلافت میں شکایت کر دی۔ پس تینوں کو طلب کر لیا گیا اور غیر مسلم کے ہاتھ کوڑا دیکر کہا کہ اس عظیم باپ کے بیٹے کو کوڑے مار۔ وہ انکو کوڑرے مار رہا تھا۔ غیر مسلم کہتا ہے کہ مَیں کوڑے مارتا رہا۔ حتٰی کہ میرا دل بھر گیا

(اخذت اضر به حتى ار تويت)

اسکے بعد عمر نے غیر مسلم قبطی سے کہا کہ عمر بن العاص کے سر پر بھی ایک کوڑا لگاؤ۔ مگر قبطی بولا کہ ان سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم بھی مار دیتے تو ہم میں سے کوئی تم کو منع نہ کرتا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ابن العاص سے کہا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے۔ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا۔ ان کا یہی فقرہ آج بیسویں صدی میں انسانی حقوق کی بنیاد بن گیا ہے۔ امریکہ نے حقوق کا سبق اسلام سے لیا ہے مگر خود مسلمان اسے بھلا بیٹھے ہیں۔ حضرت عمر نے اعلان کیا کہ مرد عورتوں کے ساتھ طواف نہ کریں۔ پھر ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے عورتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس اسکو ایک درہ لگا دیا۔ وہ شخص بولہ کہ اگر مَیں نے صحیح کام کیا تھا تو تم نے ظلم کیا اگر غلط کیا تھا تو تم نے مجھے ٹوکا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے میرا اعلان نہیں سنا تھا۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپ نے اس کے سامنے درہ ڈال دیا اور کہا کہ اپنا قصاص لے لو۔ اس نے کہا کہ آج نہیں لیتا۔ تو کہا کہ معاف کر دو۔ بولا معاف بھی نہیں کرتا۔ پھر وہ الگ ہو گیا۔ اگلے روز اس نے دیکھا کہ ان کا رنگ متغیر ہے وہ بولا کہ آپ نے میری بات کا بہت اثر لیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں اس پر اس نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ مَیں نے آپکو معاف کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر پولیس کسی کو ناحق مارتی ہے تو پولیس سے قصاص دلایا جانا چاہیے۔ کیا پولیس کا درجہ حضرت عمرؓ سے بھی بلند ہو گیا۔ خلیفہ ہشام کو ایک شخص نے منہ در منہ سخت الفاظ کہے تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔ ایک مرتبہ خود اس نے ایک شخص کو ناملائم الفاظ کہے تو اس نے کہا کہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر ایسے الفاظ نکالتے ہو شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور کہا کہ بدلہ لے لو۔ تو اس نے کہا کہ مَیں بھی تم جیسا کمینہ بن جاؤں۔ ہشام نے کہا مالی معاوضہ لے لو۔ اس کا بھی انکار ہو گیا۔ ہشام نے کہا کہ خدا کی راہ میں معاف کر دو۔ اس نے کہا پہلے خدا کی راہ میں پھر تمہارے لئے مَیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے معاف کیا۔ اس کے بعد ہشام نے قسم کھائی کہ ایسا آئندہ کبھی نہ کرے گا۔ ابن ہبیرہ نے ایک مرتبہ کسی کو گدھا کہہ دیا۔ پھر اصرار کرتے رہے کہ قصاص میں تم بھی مجھے گدھا کہو۔ جب تک کہہ نہ لو گے مجھے قرار نہ آئے گا۔ ہندو مؤرخ پروفیسر ایشوری پرشاد لکھتا ہے کہ محمد تغلق کو تین مرتبہ ماخوذ ہو کر قاضی کی عدالت میں جانا پڑا۔ وہ بغیر ہتھیار کے پیدل قاضی کی عدالت میں جاتا پھر سلام اور تعظیم کرتا ایک مرتبہ ایک لڑکے نے دعوے کیا کہ سلطان نے بلاسبب مارا ہے قصاص میں لڑکے نے سلطان کو اکیس چھڑیاں ماریں اور ایک مرتبہ سلطان کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔ سلطان نے اس کو قسم دے کر کہا تھا کہ مجھے بھی اتنے زور سے مارنا جتنے زور سے میں نے تم کو مارا تھا۔ علاؤالدین کی طرح سکندر لودھی بھی مظلوموں کی دادرسی کیلئے پورا اہتمام کرتا تھا۔ مغرب کے بعد حرم کا چکر لگا کر خلوت خاص میں جاتا اور لوگوں کے استغاثے سنتا۔ اسکے منصف رات گئے تک عدالت میں بیٹھے رہتے کہ شاید کوئی فریاد لے کر آجائے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کا مضمون "اسلام کا نظام عدل گستری" منہاج عدل نمبر)

تصویر کی آنکھ کے بدلے فاتح مصر کی آنکھ سے قصاص: اسلام کے تیزی سے پھیلنے کو مشہور بین الاقوامی کمیونسٹ لیڈر ایم۔ این۔ رائے نے بھی ایک معجزہ قرار دیا ہے۔ اسکی وجہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے رحمت اور مودت کا عمل قرار پاتا ہے۔ دین اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی قوانین کا معجزہ اور انسانوں کے لئے تحفظ امن اور خوشحالی کا ضامن ہونا بھی ہے۔ اس سلسلے میں شبلی نعمانی نے اپنے ایک خطبہ میں یوں فرمایا:

ایک واقعہ پیش آیا کہ سفیر روم آیا، صحابہؓ کے مجمع میں پیغام لے کر جنگ کا یہ واقعات ہیں وہ شام کو وہاں آکر ٹھہرا اور رات کا بڑا حصہ اس نے وہاں بسر کیا، دیکھتا ہے کہ ایک عجیب محویت طاری ہے عجب لوگ ہیں جن کے چہرے سے جن کے ہاتھوں سے جن کے نور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین منور ہوتی جاتی ہے، جہاں دیکھتا ہے خاکساری پاتا ہے، پوچھتا ہے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں، رئیس عسا کر کہاں ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ کہیں زمین پر بیٹھا ہوگا۔ ایک غریب فرش خاک پر بیٹھا ہوا ہے نہ کوئی تعظیم ہے نہ تکریم، اس رنگ کو دیکھ کر اس کا یہ عالم ہوا کہ اس نے کہا کہ حضرت میں تو اب واپس نہیں جاؤں گا، یہیں رہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ نقض عہد ہوگا، سفیر جب کہیں جایا کرتا ہے، تو یہ بات بھی داخل عہد سمجھی جاتی ہے کہ وہ اسی طرح سے بخیر وعافیت واپس بھیج دیا جائے تا کہ یہ شکایت نہ ہو کہ وہ جبراً روک لیا گیا، اس واسطے اگر اسلام لاتے بھی ہو تو ایک دفعہ جاؤ اور پھر واپس آؤ، ان چیزوں نے مسلمان بنادیا تمام دنیا کو یہ چیز تھی مسلمان بنانے والی حضرت عمرو بن العاص ؓ اسکندریہ کو فتح کرتے ہیں، مصر و قاہرہ فتح ہوجانے کے بعد حضرت عیسیٰ کا ایک اسٹیچو یا بت بنا ہوا تھا، اتفاقاً ایک تیر کسی نے مارا، وہ آنکھ میں لگ گیا، اس تصویر کی آنکھ پھوٹ گئی، اس واقعہ کو مسلمان تو الگ خود مصر و یورپ کے ایک مؤرخ نے جو عیسائی اور بشپ تھا، اس نے لکھا میں نے اس کی کتاب میں جو آکسفورڈ میں چھپی ہے، خود دیکھا۔ پروفیسر یقاق نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جا کر عمرو بن العاص سے شکایت کی کہ آپ کے ایک شخص نے ہماری بزرگ کی تصویر کو توڑ ڈالا اور بے حرمتی کی، آپ نے واقعہ پوچھا اس نے بیان کیا، تب آپ نے پوچھا کہ معاوضہ کیا چاہتے ہو، اس کا کیا کفارہ ہے، انہوں نے کہا ہم بھی جو محمد ﷺ تمہارا نبی ہے اس کا بت بنا کر اس کی آنکھ پھوڑ دینا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سے تو کچھ حاصل نہیں، ہم لوگ تو تصویر کی تعظیم نہیں کرتے، تصویر بنانا تو ہمارے نزدیک قابل تعظیم نہیں، کیا تم اس بات پر راضی ہوسکتے ہو کہ ہم میں سے جس شخص کو چاہو اس کی ایک آنکھ پھوڑ دو، انہوں نے کہا کہ ہم آمادہ ہیں لیکن عیسیٰ ہمارا خدا ہے سب سے بڑا شخص تھا، اس واسطے ہمارا ایک فوجی ادنیٰ درجہ کے شخص کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا پورا انتقام نہیں ہے، اگر تمہارا رئیس عسکر یعنی سپہ سالا فوج اس بات پر آمادہ ہو تو البتہ ہم راضی ہوسکتے ہیں، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے پوچھا کون سی آنکھ اس کی پھوٹی تھی، اس کے بعد تلوار لی اور اپنی آنکھ پیش کی، اور کہا کہ اس کو نکال لو، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور اس نے کہا کہ حیف ہے تم لوگوں سے مقابلہ کرنا، غرض کہ ان باتوں نے مسلمان بنا دیا۔ (۸)

قصاص جنایت خطاء میں نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی غیر مسلموں کی تسلی کے لئے ایسا کیا گیا۔

ہندوستان میں چوٹی کا مؤرخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد ٹوپاریڈر ہسٹری آف انڈین کلچر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد لکھتا ہے:

فیروز شاہی عہد میں عدل وانصاف کی حکومت تھی اور کسی شخص کو بھی دوسرے پر ظلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتعدی کرنے کا حق نہ تھا۔ تمام ملک میں مکمل امن وسکون تھا۔ اس سے ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ لوگوں کی زندگی میں خود بخود ترقی ہوتی گئی اور اعلیٰ وادنی ہر طبقہ کے لوگ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے لگے، چیزوں کی فراوانی تھی اور وہ سستے داموں ملتی تھیں، اس لئے عام رعایا قانع اور دولت مند ہو گئی۔ فیروزشاہ کا یہ کارنامہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ان قوانین کی بدولت تھا جو اس نے اپنی ریاست اور بادشاہت کے لئے اختیار کئے تھے۔(۹)

غرضیکہ ہندو مؤرخین بھی قرآن وسنت کے نظام کی برکات کا اعلان کرنے پر مجبور ہیں۔

اپنی کتاب کے حاشیہ میں سید صباح الدین لکھتے ہیں:

ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی نے بہت صحیح لکھا ہے کہ عوام ایک حکمران کے متعلق اپنی خوشحالی کو دیکھ کر محسوس کر کے ہی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے قدیم اور جدید مؤرخوں نے فیروزشاہ کے متعلق جس زریں رائے کا اظہار کیا ہے، اس سے کوئی تعجب نہیں ہوتا ہے، سلطان کے بے شمار خیرات ومیراث کے کارناموں نے اس کی شہرت کو چار چاند لگائے۔ اس نے بے روزگاری کا انسداد کیا، خیرات کا محکمہ قائم کیا مدارس کھولے، ان کے اخراجات خود برداشت کئے، علماء وصلحا کو وظائف اور روزینے دیئے۔ مسافروں کی راحت وآسائش کے سامان مہیا کئے، حکومت کے ملازموں سے نرمی اور فیاضی کا برتاؤ کیا۔ ان تمام باتوں نے تمام لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ سلطان لوگوں کی فلاح وبہبود کا واقعی نگہبان ہے۔ (دی ڈلھی سلٹنیٹ ص:۲۴۳)(۱۰)

گویا فیروزشاہ نے حدیث ''مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا'' پر عمل کیا۔

فیروزشاہ کا عدل وانصاف

فیروزشاہ خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتا اور فوراً قصاص لیتا تھا۔ بادشاہ کے ابتدائی عہد میں یوسف بقراء کے فرزند نے باہم جنگ آزمائی کی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

یوسف بقرا سلطان محمد تغلق کے عہد میں صاحب جاہ ومراتب وکلاہ تھا اور امرائے محمد شاہی میں بے حد ممتاز وسرفراز رہتا تھا۔

یوسف بقرا کے دو فرزند تھے جن کی پرورش وپرداخت میں یوسف بے حد کوشش کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ یہ دونوں فرزند علیحدہ علیحدہ ماؤں سے تھے۔

فیروزشاہ کے عہد میں یوسف کے دونوں فرزند قصبہ یوسف پور کو جو یوسف بقرا کی قدیم جاگیر تھی روانہ ہوگئے۔ بڑے بھائی کا ارادہ تھا کہ چھوٹے بھائی کو قتل کرکے اس کو دفع کرے لیکن اس کو موقع نہ ملتا تھا۔ یہ دونوں بھائی یوسف پور گئے اور چند روز کے قیام کے بعد بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو قتل کردیا۔ مقتول کی والدہ نے بارگاہ شاہی میں فریاد کی اور فیروزشاہ اس واقعہ کو سن کر بے حد حیران ہوا۔ اس لئے کہ بڑے بھائی پر بادشاہ بے حد مہربان تھا اور وہ دربار شاہی کے منفرد افراد میں شمار ہوتا تھا۔ فیروزشاہ نے بے حد غوروفکر کے بعد حکم دیا کہ دربار کے روبرو مجرم کو قتل کیاجائے۔

باوجودیکہ یوسف بقرا کے بڑے لڑکے پر بے حد مہربان تھا لیکن بایں ہمہ اس نے قصاص لیا اور معاف نہ فرمایا۔

اسی طرح ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ فیروزشاہ کے آخر عہد میں خزانے میں ایک شخص نویسندہ کی خدمت پر مامور تھا اور اس کا نام خواجہ احمد تھا۔ ایک طالب علم اس کے مکان پر خواجہ احمد کے خرد سال بچوں کو تعلیم دیتا تھا۔ طالب علم شہر دہلی میں اور خواجہ احمد فیروزآباد میں مقیم تھے اور خواجہ احمد اور اس طالب علم میں بے حد محبت تھی۔ اتفاق سے خواجہ احمد اس طالب العلم سے بدگمان ہوا اور اس کو خائن خیال کیا۔ یہ طالب علم ایک عورت پر عاشق تھا اس کا قاعدہ تھا کہ شنبے کے روز دہلی سے فیروزآباد آتا اور پانچ روز خواجہ احمد کے اطفال کو تعلیم دے کر پنج شنبہ کو دہلی واپس جاتا تھا۔ ایک شب خواجہ احمد مکار نے اپنے دو غلام زادوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور فیروزآباد میں اس طالب العلم کے ہمراہ بادہ نوشی میں مشغول ہوا۔

شراب خواری کے عالم میں دماغ نشہ غرور سے سرشار ہوا اور خواجہ احمد اور اس کے دونوں غلاموں نے طالب علم کو قتل کردیا اور نصف شب کے وقت اس کی لاش اپنے مکان سے باہر لاکر پل کے اوپر باہر پھینک دی اور اپنے خون آلود کپڑے دھوبی کو دھلنے کیلئے دے آئے۔ صبح کے وقت آفتاب نمودار ہوا اور بادشاہ سیر کرتا ہوا اس پل پر پہنچا اور اس مقتول کو دیکھ کر اس مقام پر ٹھہر گیا۔ اس زمانے میں ملک نیک احدی کوتوال وفات پاچکا تھا اور اس کا پسر ملک حسام الدین باپ کا جانشین تھا، فیروزشاہ نے اس مقام پر کوتوال کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلب کیا اور یہ فرمایا کہ اگر اس مقتول کے قاتل کا نشان نہ ملے گا تو میں تجھ کو بجائے مجرم کے قتل کردوں گا۔ ملک حسام الدین بادشاہ کے اس حکم سے بے حد حیران ہوا اور اس فکر میں گرفتار ہوا کہ کسی شخص کو گرفتار کرکے خون کا گناہ گار قرار دے۔

غرض کہ مقتول کا سر اور اس کا منہ دھویا گیا اور سر کو خوب صاف کرکے جسم سے جوڑا اور اس کے جسم کو سرکاری چوکی میں رکھا گیا کہ ممکن ہے کوئی شخص مقتول کے مکان و قبیلے سے آگاہ کرسکے اور بتاسکے کہ اس کا وطن کہاں ہے۔

اس مقام پر خلقت خدا جمع ہوئی اور تماشائیوں کا بے حد ہجوم ہوا۔ ایک شخص نے مقتول کی شناخت کی اور کہا کہ یہ شخص فلاں محلہ کا باشندہ ہے۔ بے حد تلاش و جستجو کے بعد مقتول کے مکان کا پتہ چلا اور اس کے اعزہ کو حقیقت حال سے خبردار کیا گیا۔ مقتول کے عزیزواقارب دوڑے اور حیران و پریشان اس کی لاش پر پہنچ کر گریہ وزاری میں مشغول ہوئے۔ مقتول کے اعزہ نے بیان کیا کہ یہ شخص خواجہ احمد کے مکان پر اس کے لڑکوں کو تعلیم دیتا تھا۔ ان اشخاص نے یہ بھی بیان کیا کہ خواجہ احمد اس مقتول سے بدگمان تھا ممکن ہے کہ اس نے اس کے قتل کرنے میں کوشش کی ہو۔ خواجہ احمد کو کوتوال کے روبرو حاضر کیا گیا لیکن اس نے اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے جرم سے انکار کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خواجہ احمد کے غلاموں اور اس کی کنیزوں سے دریافت کیا جائے۔ کوتوال نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور خواجہ احمد کے غلاموں نے تمام واقعہ راستی کے ساتھ بیان کردیا اور کہا کہ خواجہ احمد اور اس کہ دو غلاموں نے مقتول کہ ہمراہ بادہ خواری کی اور نشہ کے عالم میں اس طالب العلم کو غلاموں نے پکڑا اور خواجہ احمد نے اس کو چاقو سے ذبح کرڈالا۔ اس موقع پر خواجہ احمد نے کہا کہ یہ غلام دروغ گو ہیں خود انھوں نے اس شخص کو ذبح کیا ہے۔ غلاموں نے کہا کہ خواجہ احمد کا خون آلود جامہ دھوبی کو دیدیا گیا ہے۔ اس تقریر کے بعد دھوبی طلب کیا گیا اور وہ کپڑا دھلا ہوا لے کر حاضر ہوا اور کپڑے میں زرد رنگ کہ خون کہ داغ تھے۔ خواجہ احمد سے ان داغوں کہ بابت سوال کیا گیا۔ کہنے لگا کہ میں نے ایک جانور ذبح کیا تھا، یہ اس کہ خون کے نشانات ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ قصاب حاضر کیئے جائیں۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ان سے اس علامت کے بابت دریافت کیا گیا۔ قصابوں نے جواب دیا کہ یہ علامت کسی جانور کے خون کی نہیں ہوسکتی بلکہ انسان کے خون کو دھونے سے کپڑے پر زرد داغ پیدا ہوجاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ قصابوں کا جواب سنکر بادشاہ نے حکم دیا کہ خواجہ احمد کو سیاست گاہ میں لے جا کر قتل کریں۔ اس موقع پر خواجہ احمد خان جہاں کے قدموں پر گر پڑا اور بے منت و عاجزی سے کہا کہ مَیں اس مقتول کا خون بہا اسی ہزار تنگے ادا کروں گا۔ خان جہاں نے بادشاہ سے یہ واقعہ عرض کیا کہ خواجہ احمد اسی ہزار تنگہ خون بہا ادا کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے خان احمد جہاں جس شخص کہ قبضے میں مال و دولت ہو گی وہ اس طرح بے گناہ افراد کو قتل کرے گا، اگر قتل کہ معاوضے میں مال وصول کر کے مجرم رہا کر دیئے جائیں گے تو مخلوق کو بے حد دقت پیش آئے گی اور قیامت میں خدا کے حضور میں مجھ کو ندامت و شرمندگی ہو گی۔ خان جہاں نے عرض کیا کہ خزانہ شاہی کے لاکھوں روپیہ کا حساب خواجہ احمد کے ذمے ہے، اگر چند روز قصاص میں توقف فرمایا جائے تو بہتر ہے تاکہ بیت المال کا معاملہ صاف ہو جائے۔ فیروزشاہ نے فرمایا کہ مَیں خزانے کے لکھوکھا روپیہ سے باز آیا، خواجہ احمد کو فوراً سزا دی جائے۔ آخر کار خواجہ اور اس کے دونوں غلاموں کو تمام خاص و عام کہ رو برو سزا دی گئی۔

فیروزشاہ نے اپنے آخری زمانے میں خدا کے خوف سے مندرجہ ذیل امور پر بے حد توجہ فرمائی اور انہیں کو انجام دینے کی کوشش کرتا رہا۔

قیدیوں پر توجہ کرنا

جس کا تفصیلی حال یہ ہے کہ فیروزشاہ جب سیروشکار سے واپس آتا اور شہر فیروزآباد میں قیام فرماتا تو قیدیوں کے احوال کی پرسش کرتا تھا اور جو شخص کہ رہا کرنے کے لائق ہوتا اس کو فوراً رہا کر دیتا تھا، قیدیوں میں جو شخص جلاوطن کرنے کے قابل ہوتا وہ جلاوطن کیا جاتا تھا، لیکن ہر ایسے شخص کو وظیفہ عطا ہوتا تھا کہ یہ شخص غربت کے عالم میں معاش کی تنگی سے پریشان نہ ہو۔

فیروزشاہ نے بارہا عمال درگاہ کو تاکید کی کہ دیکھو مجرم کو زیادہ مدت تک قید خانے میں نہ رکھو اس لئے کہ اس کے دل کی آہ کو برداشت کرنا بے حد مشکل ہے۔

فیروزشاہ ہمیشہ یہ فرماتا تھا کہ غریب اہل زندان ہمیشہ پریشان خاطر دعا جزو حیران رہتے ہیں اور اپنی خیانت کی وجہ سے جوان سے ناعاقبت اندیشی میں ہوئی ہے قید میں گرفتار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ فیروزشاہ قیدیوں کے بارے میں عمال کو سخت تاکید کرتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ان کو جلد رہا کیا جائے یہاں تک کہ آخر میں ہر ماہ کی پہلی تاریخ تمام کارکن قیدیوں کے حالات سے بادشاہ کو مطلع کرتے تھے (۱۱)

قتل خطاء میں قید کی سزا نہیں دی جاسکتی

قتل خطاء میں چند دن کی سپرداری میں تو دیا جاسکتا ہے وہ بھی تفتیش کے دوران اگر ملزم کے فرار کا خطرہ ہو ورنہ قید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ دیت کا بار قتل خطاء میں ملزم کے علاوہ مددگار برادری اٹھاتی ہے۔ ورنہ آخری صورت میں دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اگر ملزم فقیر ہو اور اس کی کسی مددگار برادری کا وجود نہ ہو۔ جیسے کوئی لاوارث غریب مسافر وغیرہ۔ لیکن اگر قاتل ڈرائیور بغیر لائسنس کے گاڑی چلا رہا ہو یا غلط ہاتھ پر چلا رہا ہو یا قونین ٹریفک کی خلاف ورزی کرتا ہوا قتل کا مرتکب ہو تو پھر بطور تعزیر قاضی مناسب قید کی سزا بھی دے سکتا ہے۔

قرآن وسنت کے سپریم قانون مع قانون قصاص دیت کے نفاذ کی برکات فیروزشاہ کے دور کی برکات کے سلسلے میں ہندو مسلمان تمام مورخ ہمنوا ہیں۔

بقول سراج عفیف'' رعایائے سلطنت میں اس درجہ اضافہ ہوا اور آبادی میں اس قدر ترقی ہوئی کہ ہر قطعہ اور ہر ملک اور ہر پرگنے میں ہر چار کوس پر ایک گاؤں آباد ہو گیا۔

رعایا کے مکان میں اس قدر غلہ ومال واسپ واسباب فراہم ہوگئے کہ ان کی تفصیل حد بیان سے باہر ہے۔ ہر شخص کے پاس زرونقرہ بے شمار جمع ہو گیا۔ حد یہ کہ رعایا میں کوئی عورت بھی بغیر زیور کے نظر نہ آتی تھی۔

ہر رعایا کے مکان میں پاکیزہ بستر وعمدہ پلنگ بے شمار اسباب راحت ومال موجود تھا۔ ہر شخص کثیر مال واسباب کا مالک ہوا اور تمام مملکت دہلی کا ہر فرد خدا کے فضل وکرم سے ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔

قوانین قصاص ودیات کی برکات کے لئے حکمرانوں کا عمل اور صدق نیت بھی ضروری ہے۔

سراج عفیف لکھتے ہیں کہ عہد علائی کے برکات تاریخ میں بے نظیر تھے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیروزشاہی ۴۰ سالہ عہد کی فراغت نے ان کو بھی گوشہ دل سے فراموش کردیا۔ سلطان علاؤالدین نے ارزانی کے لئے جس قدر بلیغ کوشش کی اس کے حالات تاریخ میں مذکور ہیں۔ فیروزشاہی عہد کے برکات محض عطائے ربانی تھے۔ جو اس بادشاہ کے حسن عقیدہ کے نتائج ہیں۔ اس بادشاہ کے دور میں ارزانی کی طرح آبادی میں بھی بے حد ترقی ہوئی (۱۲)

لیکن قوانین قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران دل سے اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے ہوں اور اس سنت پر بھی عمل کریں کہ سیدالقوم خادمھم یعنی قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ ہسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ کے مصنفین لکھتے ہیں کہ "سلطان محمود عقیدہ کے طور پر مسلمان تھا اور پیغمبر کے قانون کے نفاذ کی چاہت رکھتا تھا۔ شیرشاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ کسی حکومت نے بھی اتنی عقلمندی نہیں دکھائی حتی کہ انگریزوں نے بھی نہیں دکھائی جتنی عقلمندی شیرشاہ پٹھان نے دکھائی۔ اکبر کی شخصیت اپنے دور کے تمام حکمرانوں سے بھی بلند تھی حتی کہ انگلینڈ کی الزبتھ اور سپین کے فلپ سے بھی۔ اس کی حکومت انسانیت کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ وہ اسلام پر پختہ یقین رکھتا تھا۔ اس نے شیرشاہ کے مالی قوانین کو جاری رکھا۔ اس نے ہندو عورتوں کو ستی کرنے کیلئے ان کی رضامندی کی شرط عائد کردی۔ جب اسے پتہ چلا کہ جودھ پور کا راجہ اپنے بیٹے کی بیوی کو اس کی رضامندی کے بغیر ستی کرنا چاہتا ہے تو وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر گیا اور ستی کو کوایا۔ وہ تھوڑی خوراک کھاتا اور صرف تین گھنٹہ روزانہ سوتا تھا" (۳) یاد رہے کہ اورنگزیب بھی تین گھنٹہ سے زیادہ نہ سوتا تھا۔ رعایا کی خبر گیری میں منہمک عمرؓ اور ہارون رشید سے لے کر جہانگیر اور اورنگزیب بھیس بدل کر راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے اور انصاف قائم کرنے اور رعایا کی حفاظت میں مشغول رہتے تھے۔

قصاص کا ایک اچھوتا مقدمہ

ایک روز شیرشاہ کا لڑکا شہزادہ عادل خان ہاتھی پر سوار ہو کر آگرہ کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بقال کی بیوی پر پڑی جو اپنے مکان کے اندر برہنہ نہا رہی تھی۔ شہزادہ نے اس کو دیکھ کر پان کا بیڑہ اس پر پھینکا، عورت حیادار تھی، فرط ندامت میں اس نے خودکشی کرلینے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے شوہر نے اس کو خودکشی سے بازرکھا، اور وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پان کا بیڑہ لے کر شیر شاہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی۔ شیر شاہ کو اپنے بیٹے کی حرکت پر غصہ آیا، اور اس نے حکم دیا کہ فریادی کو ہاتھی پر سوار کر کے عادل خان کے مکان کے پاس پہنچایا جائے اور شہزادے کی بیوی مکان کے اندر کھڑی ہو، اور فریادی یہی پان کا بیڑہ ہاتھی پر سے اس کی بیوی پر پھینکتا ہوا آگے بڑھے، یہ حکم سن کر درباری امراء نے شہزادہ کی حمایت کرنی چاہی لیکن شیر شاہ نے کہا میری عدالت میں میری محبوب ترین اولاد اور رعایا برابر ہیں۔ فریادی اس فیصلہ سے متاثر ہوا۔ اور اس نے دست بستہ عرض کیا، میں انصاف پا گیا، شہزادہ نے میرا قصور کیا ہے، مجھ کو قصور معاف کرنے کا حق ہے، اس لئے میں شہزادہ کو معاف کیا، یہ سن کر شیر شاہ کا جلال کم ہوا، وہ کہا کرتا تھا کہ عدل ہر دین میں بہتر ہے، عدل کے برابر کوئی طاقت اور عبادت نہیں، اگر بادشاہ کے عدل کا سایہ خلق کے سر پر سے اٹھ جائے تو آبادی کا شیرازہ بکھر جائے، منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ خدا کا میں بڑا شکر گزار ہوں کہ میری پیدائش اس عادل بادشاہ کے زمانہ میں ماہ ربیع الاول ۹۴۷ھ میں ہوئی (جلد اول ص) تاریخ ہندوستان جلد سوم از ذکاء اللہ ص: ۱۴۴، تاریخ شیر شاہی از عباس خان شیروانی اردو ترجمہ ص: ۲۴۳-۱۳۲)

سلطان مراد سے ایک معمار کے قطع ید کا قصاص

علامہ اقبال نے ایک فارسی نظم میں اس واقعے کو بیان کیا ہے:

اردو ترجمہ

۱۔ خجند کی ولایت میں ایک معمار تھا، جس نے عمارتیں بنانے میں بڑی ناموری حاصل کر لی تھی۔

۲۔ اس کاریگر نے جسے کمال فن کے اعتبار سے فرہاد کی اولاد کہنا مناسب ہے، سلطان مراد کے حکم سے ایک مسجد بنائی۔

۳۔ سلطان کو اس کی بنائی ہوئی عمارت پسند نہ آئی اور اس کی کوتاہی پر غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔

۴۔ سلطان کی آنکھوں سے جلا دینے والی آگ برسنے لگی اور اس نے غریب معمار کا ہاتھ خنجر سے کاٹ دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ معمار کی کلائی سے خون کی ندی بہ نکلی وہ بے بس ہو کر حالت زار میں قاضی کے پاس پہنچا۔

۶-۷-۸ جس کاریگر کے ہاتھ پتھروں کو ایک دوسرے سے اس طرح پیوست کرتے تھے جس طرح موتی پروئے جاتے ہیں، اس نے سلطان کے ظلم کی داستان قاضی کو سنادی اور کہا کہ تیری زبان پر جو کچھ جاری ہوتا ہے وہ پیغام حق ہوتا ہے۔ تیرا کام ہی شریعت محمدیہ کی حفاظت ہے۔ میں بادشاہوں کی عظمت اور دبدبے کا غلام نہیں۔ میری گزادش یہ ہے کہ جو دعوی پیش کررہا ہوں اس کا فیصلہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق کر دیا جائے۔

قرآن مجید کا فیصلہ:

۱۔ قاضی انصاف دوست تھا۔ معمار کی دردبھری داستان سنی تو غصے سے ہونٹ چبائے اور بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔

۲۔ بادشاہ سن چکا تھا کہ معمار نے قرآنی حکم کے مطابق فیصلہ چاہا ہے۔ قرآن کی ہیبت سے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور خطا کار کی حیثیت میں قاضی کے سامنے پیش ہوا۔

۳۔ شرمندگی سے آنکھیں پاؤں پر گڑی ہوئی تھیں اور چہرہ لال ہو رہا تھا۔

۴۔ قاضی کی عدالت میں ایک طرف فریادی تھا جس نے دعوی دائر کر رکھا تھا اور دوسری طرح آسمان جیسے بلند مرتبے والا شہنشاہ تھا۔

۵۔ بادشاہ بولا "میں اپنے کیے پر پشیماں ہوں اور اقبال جرم کرتا ہوں۔

۶۔ قاضی نے کہا" یہ معاملہ تو قصاص کا ہے اور ارشاد قرآنی کے مطابق قصاص ہی میں زندگی ہے۔ اسی قانون کے ذریعے سے زندگی استوار ہوتی ہے۔

۷۔ ظاہر ہے کہ مسلمان غلام درجے میں احرار سے کم نہیں سمجھا جاسکتا اور بادہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ سرخ نہیں ہے۔

۸۔ جب سلطان مراد نے قرآن مجید کی یہ محکم آیت سنی تو اپنا ہاتھ آستین سے نکال کر پیش کر دیا۔ اس غرض سے پیش کر دیا کہ قصاص لے لیا جائے تاکہ حکم قرآنی پورا ہو۔

۹۔ دعوی کرنے والے معمار کو اب خاموشی کی تاب نہ رہی حکم قرآنی کے رو برو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان کے سر جھکا دینے پر وہ اپنی تکلیف بھول گیا اور اس کی زبان پر قرآن مجید کی وہ آیت جاری ہو گئی جس میں عدل کے ساتھ احسان کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔

۱۰۔ اس نے کہا کہ میں نے بادشاہ کو خدا اور رسول ﷺ کے لئے معاف کر دیا۔ بدلہ لیسا نہیں چاہتا۔ احسان کہ کر چھوڑتا ہوں۔

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا رعب و دبدبہ دیکھے کہ ایک کمزور چیونٹی نے سلیمان پر فتح پائی یعنی ایک معمولی معمار سلطان کے مقابلہ میں کامیاب ہوا۔

۱۲۔ حق یہ ہے کہ قرآن کے نزدیک آقا اور غلام کی حیثیت ایک ہے۔ چٹائی پر بیٹھنے والے درویش اور اطلس کی گدی کو زینت دینے والے بادشاہ میں کوئی فرق نہیں

فی القصاص آمد حیوۃ اشارہ ہے سورہ بقرہ کی اس آیت کی طرف

ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب

اور اے ارباب دانش (قصاص کے حکم میں اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان ہلاکت گوارا کر لی گئی لیکن دراصل یہ ہلاکت نہیں، تمہاری لئے زندگی ہے اور اس لئے ہے کہ تم برائیوں سے بچو۔

بالعدل والاحسان. اشارہ ہے سورۃ نحل کی اس آیت کی طرف

ان اللہ یامربالعدل والاحسان وایتائی ذے القربے وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

مسلمانو! اللہ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملے میں انصاف کرو سب کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ اور قرابتداروں سے سلوک کرو اور تمہیں روکتا ہے بے حیائی کی باتوں سے، ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم وزیادتی کے کاموں سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور نصیحت پکڑو۔

مذکورہ مقدمہ کی تفصیل جو علامہ اقبال نے نظم کی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی نے جو فیصلہ سنایا وہ قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دے کر سنایا۔ اور معمار نے جو معافی دی تو اس نے بھی دلیل کے طور پر اپنے فعل کے لئے قرآن ہی کی ایک آیت کا حوالہ دیا۔ سلطان نے اپنے ہاتھ جو کاٹنے کے لئے پیش کیا وہ بھی قرآنی آیت کی سند کے مطابق کیا۔ غرضیکہ قاضی سلطان اور معمار تینوں مقدمے کے فیصلہ میں سپریم قانون قرآن ہی کو سمجھا اور اسی کے مطابق فیصلہ اور عمل کیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ تینوں قرآنی آیات سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقف تھے۔ اور تیسوں کو قرآن کی یہ آیت بھی معلوم تھی کہ
من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔
یعنی جو لوگ وحی منزلہ کے مطابق فیصلے نہ کریں تحقیق وہی لوگ کافر ہیں۔

عدل جہانگیری

اس سلسلے میں سید صباح الدین لکھتے ہیں:

نور جہاں جہانگیر کے مزاج پر حاوی ضرور تھی، لیکن جہانگیر نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ مظلوموں کے مقابلہ میں وہ اس کی کوئی سفارش نہیں سن سکے گا، اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے محل کے برج پر ایک زنجیر لٹکا دی تھی تاکہ جو مظلوم شاہی دربار تک نہ پہنچ سکے، اس زنجیر کو ہلا دے، جب کوئی شخص اس زنجیر کو ہلاتا تھا، جہانگیر اسی وقت باہر نکل کر دادرسی کرتا تھا، یہ زنجیر سونے کی تھی، ۳۰ گز لمبی اور چار من وزنی تھی، اس میں ساٹھ گھنگھرو تھے، اس کی عدل پروری اس واقعہ سے بھی ظاہر ہو گی، ایک بار نور جہاں اپنے محل کی مہتابی پر ٹہل رہی تھی، ایک رہرو ادھر سے گزرا، اس نے نور جہاں کو گھور کر دیکھا، نور جہاں کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ایک نامحرم اس طرح گھور کر اس کو دیکھے۔ اس نے فوراً اس رہرد کو گولی مار دی۔ جہانگیر کو اس کی خبر ملی تو اس کو غصہ آ گیا، اس نے اپنے دربار کے مفتیوں سے فتوی پوچھا، انھوں نے فتوی دیا کہ قتل کی سزا قتل ہے، جہانگیر نے حسن و عشق سے بے نیاز ہو کر نور جہاں کو زنجیر میں بندھوا کر جلاد کے سپرد کر دیا۔ نور جہاں محرم [illegible] و شفیع سے محروم ہو کر جان بچانے کے لئے خون بہا دینے کی ملتجی [illegible] مفتیوں نے خون بہا ایک لاکھ درم مقتول کے وارثوں کو دینے کی [illegible]رش کی اور جب یہ وارث خوشی سے خون بہا لینے کی لئے تیار ہوئے تو نور جہاں کو [illegible] سب کچھ [illegible] چکا تو جہانگیر محل کے اندر گیا، اور نور جہاں کے پاؤں پر گر کر کہا:

"ہائے بیگم اگر ترامی کشند من چہ می کردم"

اس واقعہ کو مولانا شبلی نے ایک بڑی پر کیف نظم میں قلمبند کیا ہے۔ (کلیات شبلی اردو ص: ۷۰۔۴۷۸)

مذکورہ بالا واقعہ میں راہ گیر کے دو قصور تھے۔ اول یہ کہ وہ چاہے غلطی سے سہی [illegible]م شاہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علاقہ میں چلا گیا اور اسطرح سے Tress Passer تھا۔ دوسرے اگر اسکی نظر ملکہ پر پڑ گئی تھی تو اسکو نظر پھیر لینی چاہیئے تھی۔ گھور کر تکتے رہنا بہرحال اسلامی نکتہ نگاہ سے جرم تھا۔ مزید بخاری کی مشہور حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کسی کے گھر میں کسی سوراخ سے جھانکے تو اگر صاحب خانہ اس سوراخ میں سے چھڑی ڈال کر اسکی آنکھ میں مارے اور اسطرح سے جھانکنے والے کی آنکھ پھوٹ جائے تو کوئی تاوان نہ ہوگا۔ لیکن بہرحال ان سے باتوں کے باوجود راہ گیر کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ملکہ محفوظ مقام پر راہ گیر کی دسترس سے باہر تھی۔ اسی وجہ سے قاضی نے قاتلہ کی گردن اڑانے کا فیصلہ سنا دیا۔ ملکہ کی جان تو بچ گئی مگر گجرات کے حکمران احمد شاہ اول کے داماد کی جان دگنی دیت اور مقتول کے وارثوں کی رضامندی کے باوجود بھی نہ بچ سکی۔

حاکم گجرات کا انصاف: سید صباح الدین اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

گجرات کے حکمران احمد شاہ اول (المتوفی ۸۳۶ھ - ۱۴۳۲ء) کے داماد نے جوانی اور شاہی رشتہ کے غرور و تکبر میں ایک شخص کو بے قصور قتل کر دیا، سلطان احمد شاہ اول کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے داماد کو باندھ کر قاضی کے پاس بھیج دیا، قاضی نے مقتول کے وارثوں کو دوسو اونٹوں کی دیت پر راضی کر کے ان کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اگرچہ مقتول کے وارث راضی ہیں، لیکن مجھ کو خود یہ قبول نہیں کہ اس طرح دولت مند لوگ خون ناحق کرنے میں دلیر ہو جائیں گے، اس لئے قصاص یہ ہوگا کہ قاتل خود قتل کیا جائے، چنانچہ سلطان کا داماد قتل کر دیا گیا، سلطان کے حکم سے اسکی لاش ایک روز دار پر لٹکی رہی، تاکہ ظالم عبرت حاصل کریں۔ (مرآت سکندری ۵۴۔۶۴) (۱۴)

پاکستان کے مشہور و معروف وکیل اور سابق وفاقی وزیر قانون ایس ایم ظفر صاحب کو جب میں نے یہ قصہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ جب مقتول کے وارثوں اور قاتل میں دگنی دیت پر راضی نامہ ہو گیا تو بادشاہ کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ اس نے دیت کو مسترد کر کے قتل کا حکم دیدے۔

اس کے جواب میں ہم پہلے تو عبدالرحمن الجزیری کا بیان نقل کرتے ہیں جس سے سلطان کے اختیارات کی وضاحت ہو گی اور اسکے بعد اپنی رائے بیان کرینگے۔ عبدالرحمن الجزیری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں:

جرم قتل کے بارے میں سلطان (حکومت) کہ اختیارات کا بیان:

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اگر مطالبۂ قصاص کے حقدار قتل کے مجرم کو معاف کر دیں تو انکے بری ہو جانے سے، امن کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مطالبۂ خون کا حقدار (ولی) اکثر حالات میں تو قصاص لینے ہی پر اصرار کرتا ہے۔ اگر بالفرض وہ معاف بھی کر دے اور حکومت کی رائے میں اس سے چھوڑنے سے امن عامہ کے غارت ہو جانے کا اندیشہ ہے تو حاکم کو حق ہے کہ مُجرم کو جو سزا بھی چاہے دے اور یہ ضروری ہے کہ اس وقت تک اسے نگرانی میں رکھے کہ وہ زیادتی نہ کرنے پائے یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کا رویہ درست ہو گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی خوبی اور جزرسی یہ ہے کہ اس نے قتل کی سزا میں قصاص رکھا ہے اور حاکم کو اختیار دیا ہے کہ اگر خون بہا کے حقدار معافی دیں تو قبول کرے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

(۱) اگر قتل عمد کے مجرم کو معاف کر دیا جائے تو آیا سلطان (حکومت) کو اس پر کوئی اختیار رہتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مطالبہ خون کا حق رکھنے والا معاف کر دے، تب بھی سلطان (حکومت) کو اختیار رہتا ہے کہ وہ قاتل کو سو دروں کے ضرب کی سزا دے یا پورے ایک سال کی قید کرے۔ مدینہ کے لوگ بھی ان پر صلواۃ وسلام ہو یہی کہتے ہیں اور حضرت عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ حاکم کے لئے ان باتوں میں سے کسی پر عمل کرنا واجب نہیں ہے بجز اس صورت کے جبکہ قاتل شرپسندی اور اذیت رسانی میں مشہور ہو۔ ایسی صورت میں امام (حاکم) کےلئے جائز ہے کہ اپنی رائے کے مطابق اس کی سرزنش کرے۔ اسے قید کر دے یا سزائے ضرب دے یا شہر بدر کر دے۔ اس بارے میں ان کی دلیل شریعت کے احکام ہیں۔(۱۵)

بعض فقہاء نے بچوں کو دھوکہ سے اغوا کرنے والوں اور ان کو بیچنے والوں کو بھی محارب قرار دیا ہے۔

دور جدید میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا سزائے موت کو بالکل ختم کر دیا جائے یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ سزائے موت کو بالکل ختم کرنا صحیح نہیں ہے۔ متکبر اور فرعون مزاج جباروں۔ غنڈوں۔ حاکموں اور ظالم پولیس افسران ، ڈیروں۔ جاگیرداروں اور اثرورسوخ پر اترانے اور ظلم کرنے والوں سے تو قصاص لینا ضروری ہے۔ کہ دوسرے متکبرین کو ظلم کرنے کی جرات نہ ہو البتہ کمزوروں ، غریبوں اور ضعیفوں سے اگر وقتی جوش اور غصہ میں زیادتی ہوجائے تو ان سے نرمی برتنا ہی صحیح ہے۔ یہی اسلامی طریقہ ہے کہ بڑوں کے لئے سزا سخت ہو اور چھوٹوں کے لئے سزا نرم ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد فتحی بھنسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب لعلکم تتقون" (١٦)

یعنی اے اہل فہم ودانش! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، (برائیوں سے بچو تاکہ ظلم وفساد کی راہیں بند ہوجائیں)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں، یہ (آیت) انتہائی مختصر مگر بلاغت سے بھرپور (کلام) ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ بعض کو قتل نہ کریں جیسا کہ سفیان نے سدی سے اور انہوں نے ابومالک سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قصاص نافذ ہوجائے اور اس کے ذریعہ شریعت کا حکم پورا ہوجائے تو جو شخص کسی دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اپنے انجام سے خوف کھاتے ہوئے ارتکاب جرم سے باز آجائے گا اور یوں ان دونوں کی زندگی محفوظ رہے گی۔ عہد جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کردیتا تو دونوں کے قبیلے ان کی حمایت میں باہم خانہ جنگی کا شکار ہوجاتے اور یوں ایک شخص کا قتل بالآخر بے حساب خون ریزی کا سبب بن جاتا۔

جب اللہ تعالی نے قصاص کا شرعی حکم نازل فرمایا تو سب نے اسے قبول کرلیا اور باہمی لڑائیوں سے باز آگئے یوں حکم قصاص ان کے لئے پیغام حیات ثابت ہوا۔ اور لفظ "تتقون" سے یہاں یہ مراد ہے کہ تم قتل وخون ریزی سے اجتناب کرو تاکہ قصاص (میں قتل کئے جانے) سے محفوظ رہو، پھر قتل وفساد سے یہ گریز تمہیں تقوی وپرہیزگاری کی دیگر انواع سے بھی بہرہ ور کرنے میں مدد دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی بندے کو ایک طاعت کے صلہ میں دوسری اطاعت (کی توفیق) عطا فرماتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضحاک نے کتاب الدیات میں ابوبکر وعثمان سے اور انہوں نے یعلی بن عبید اور انہوں نے اسماعیل اور ابوصالح کے واسطے سے روایت کی ہے

ولکم فی القصاص حیاۃ

کا معنی ہے کہ تمہارے لئے قصاص میں بقاء ہے اور ابوبکر نے ابواسامہ سے انہوں نے شبلی سے انہوں نے ابن ابی نجیح سے اور انہوں نے مجاھد سے اس کا یہ معنی روایت کیا ہے کہ تمہارے لیے قصاص میں عبرت اور جرم سے ممانعت ہے۔ اور یحیٰ بن خلف نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس ارشاد پاک کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ، بعض (کے قتل) سے باز آجائیں۔ محمد بن ابی بکر، ابوجواز سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں قصاص سے مراد قرآن (یعنی قرآنی حکم) ہے۔

محمد بن عبید بن حساب حضرت قادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جو) فرمایا کہ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے (تو) اس کا معنی یہ ہے کہ) ظالم سرکش انسان قصاص کے خوف سے جرم کے ارتکاب سے رک جاتا ہے (۱۷) (اور اس طرح دونوں کی زندگی بچ جاتی ہے)

معاشرہ کی حیات قصاص اور عدل کے قیام میں ہے۔

امام ابن عاصم (الضحاک) لکھتے ہیں:

حدثنا المقدمی حدثنا عمر بن علی عن ابی صالح عن الضحاک ولکم فی القصاص حیاۃ قال الحیاۃ القصاص والعدل

یعنی ضحاک کے نزدیک قرآن میں حیات ہے قصاص اور عدل کے مجموعے کی طرف اشارہ ہے۔(۱۸)

قصاص کے معاملہ میں معافی کا مشورہ

مغرب والے کبھی تو سزائے موت کو ختم کرنے کا سوچتے ہیں اور پھر بحال کرنے کا سوچتے ہیں۔ بعض ملکوں میں سزائے موت کو ختم کر کے پھر بحال کر دیا گیا ہے۔ وہاں اس پر بحث جاری ہے کہ سزائے موت کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے یعنی چاہے کچھ ہو قصاص کسی سے نہ لیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے برعکس اسلامی نظام قانون میں سزائے موت کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اور بہت ہی منصفانہ ، عادلانہ اور عقلمندانہ نظام قرآن وسنت میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں ایک طرف یہ کہا گیاہے کہ قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے اور دوسری طرف عدل کے ساتھ ساتھ احسان کی تعریف بھی کئی گئی ہے۔ اس طرح ایک عمدہ نظام قائم کردیا گیاہے جو ہر زمانہ میں عمدہ ترین قانون ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو آپ قصاص کو معاف کرنے کا مشورہ دیتے۔

نسائی میں ایک باب ہے: الامر بالعفو عن القصاص (یعنی قصاص کی بجائے معافی کا حکم)

امام نسائی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں:

ماأتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی شئی فیہ قصاص الاامر فیہ بالعفو (۱)

یعنی جب بھی حضور ﷺ کے پاس ایسا مقدمہ آیا جس میں قصاص کا حکم ہوا تو آپ ضرور ہی ان کو قصاص سے درگزر کرنے کا مشورہ دیا۔ یعنی فرمایا کہ قصاص کے بجائے دیت لے لو یا فرمایا کہ بالکل ہی معاف کردو۔

یہ بات بہت افسوس ناک اور تعجب انگیز ہے کہ ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالت نے قصاص اور دیت کا قانون بناتے وقت پہلے تو عاقلہ کے مسئلہ کو گول کردیا۔ پھر جب ڈرائیوروں نے شور مچایا تو عاقلہ کو نامکمل اور ناقص طریقہ سے تو لے لیا مگر قسامت کے قانون کو سرے سے ہی ترک کردیا۔ یاللعجب۔

قسامت کا بیان

تشریح: لغت کی رو سے "قسامت" قسم لینے کو کہتے ہیں۔ قتل کے بعد بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ قسامت کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

فقہ کی زبان میں قسامت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی علاقے، محلہ، سڑک، گلی یا احاطہ میں کوئی مقتول اس طرح پایا جائے کہ یہ معلوم نہ ہوسکے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ اور مقتول کے قتل کے جو لوگ مدعی ہیں، ان میں سے بھی کسی نے کسی شخص پر قتل کا دعوی نہ کیا ہو، اور مقتول کے جسم پر ایسے آثار، اور علامتیں موجود ہوں، جن سے یہ ثابت ہورہا ہو کہ اس شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو قتل کیا گیا ہے، یہ طبعی موت نہیں مرا، جب ایسی صورت پیش آجائے تو اس مقام کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اس کے بعد بھی اصل قاتل کی نشان دہی نہ ہوسکے تو مقتول کی دیت، اس جگہ (محلہ، علاقہ) کے لوگوں پر تقسیم کردی جائے گی، وہ سب مل کر دیت ادا کریں، تاکہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے۔ خواہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی قاتل نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ سب لوگ اس حیثیت سے قصور وار ہیں کہ یہ ایک ایسے شخص کی (اپنے علاقے کے) جان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہے، جس کا خون بہانا حرام تھا۔ اس لئے یہ امر مناسب تھا کہ ان سب پر اجتماعی طور پر تاوان ڈالا جائے۔

اگر کوئی شخص کشتی میں مقتول کو پایا گیا، تو قسامت کس پر ہوگی؟

اگر کوئی شخص کشتی میں مقتول پایا گیا تو قسامت ان سب لوگوں پر ہوگی جو اس کشتی میں سوار ہیں، یعنی موجود ہیں۔ ان میں مسافر بھی شریک ہوں گے، اس کو چلانے والے بھی، عملہ کے لوگ بھی، اور اگر مالک سوار ہیں، تو وہ بھی۔ اس صورت میں مالک اور غیر مالک کی تخصیص نہیں ہوگی، اور ایسا ہی حکم ہے کسی دوسری سواری کا (۱۹) (کہ اس میں، یا وہاں جو لوگ موجود ہوں گے، ان سب کو قسامت میں شامل کیا جائے گا)

مسجد میں مقتول پائے جانے کا حکم

اگر کسی مسجد میں کوئی شخص مقتول پایا گیا، تو جس محلہ اور علاقہ میں وہ مسجد واقع ہے، وہاں کے لوگوں پر قسامت واجب ہوگی، کیونکہ اس علاقے کے لوگوں پر ہی اس مسجد کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ لہذا وہی لوگ اس کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔

لیکن اگر کوئی شخص شہر کی جامع مسجد میں مقتول پایا گیا، یا کسی شارع عام پر مقتول پایا گیا تو کسی پر قسامت نہ ہوگی، اور دیت بیت المال پر واجب ہوگی۔ اس لئے کہ جامع مسجد میں شہر کے ہر علاقے کے لوگ آتے ہیں۔ کوئی خاص طبقہ نہیں آتا کہ ان پر قتل کی ذمہ داری ڈالی جائے۔

اسی طرح عام سڑکوں کا حال ہے، وہاں سے بھی ہزاروں لوگ گزرتے ہیں، کسی خاص فرد یا طبقے کے ساتھ اس کا تعلق نہیں، اس لئے قسامت واجب نہ ہوگی، اور دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں تمام لوگوں کا مال ہے، اور سب کا حق وابستہ ہے (۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر بازار میں مقتول پایا جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی مقتول کسی ایسے بازار میں پایا جائے جو کسی کی ملکیت ہے، تو امام ابویوسف کے نزدیک قسامت اور دیت وہاں کے تمام باشندوں پر واجب ہوگی، خواہ وہ مالک ہوں، یا کرائے دار۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کہتے ہیں کہ کہ جو شخص، یا جو افراد اس بازار (مارکیٹ) کے مالک ہیں صرف ان پر قسامت اور دیت واجب ہوگی۔

اگر بازار کسی خاص فرد، یا افراد کی ملکیت نہیں، جیسے وہ بازار، اور دوکانیں جو عام سڑکوں پر بنائی جاتی ہیں، اور ایسے بازار میں کوئی مقتول پایا جائے تو دیت، بیت المال پر لازم ہوگی (بظاہر وہ دوکانیں اور بازار مراد ہیں جو سرکاری ادارے بناتے ہیں۔ کیونکہ دوکانوں، اور مارکیٹوں کا کوئی نہ کوئی تو مالک ہوتا ہی ہے۔)

جیل خانے میں مقتول پائے جانے کا حکم

اگر کوئی مقتول جیل خانے میں پایا گیا، تو اس کی قسامت و دیت بھی بیت المال پر واجب ہوگی۔ اس لئے کہ جیل میں جو لوگ (عام طور پر قیدی) ہوتے ہیں، وہ مقہور و مغلوب ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ اس بنا پر ان کے ذمہ وہ چیز لازم نہیں ہوسکتی جو نصرت و مدد کی بنا پر لازم ہوتی ہے۔

نیز یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ جیل خانے کا فائدہ عام لوگوں کو پہنچتا ہے، سلسلے کا جو نقصان اور تاوان ہے وہ بھی ان سب پر عائد ہونا چاہیے۔

امام ابویوسفؒ کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں قسامت اور دیت دونوں جیل خانے والوں پر عائد ہوگی۔ کیونکہ وہی لوگ یہاں کے باشندے ہیں اور یہاں کی تدبیر و نگرانی انہی کی ذمہ داری ہے (۲۱)

نوٹ: قسامت کے مسئلہ سے صرف نظر کرنے سے بہت سے مظلوموں کا حق مارا جارہا ہے۔ بسنت وغیرہ کے موقع پر تار کی ڈور وغیرہ کے استعمال سے واپڈا کو نقصان کے علاوہ لوگوں کی قیمتی اشیاء جل جاتی ہیں۔ اس سال چھ جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ ان کا خون بہا ادا کیا جانا ضروری ہے۔ اسلام میں خون رائیگاں نہیں جاتا۔ **واللہ اعلم۔**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵: ۲۴۹)

۲۔ کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص: ۶۲ بحوالہ عبد السلام ندوی اسوہ صحابہ ص: ۹۷ حصہ دوم

۳۔ کنزالعمال جلد ۳ ص: ۱۲۷ بحوالہ عبد السلام ندوی اسوہ صحابہ، ۲: ۹۶

۴۔ اسد الغابہ۔ تذکرہ حضرت عمرؓ بحوالہ عبد السلام ندوی اسوہ صحابہ ص: ۹۷ حصہ دوم

۵۔ فتوح البلدان ص: ۱۴۳ بحوالہ عبد السلام ندوی اسوہ صحابہ ۹۷، حصہ دوم

۶۔ سید صباح الدین: سچی کہانیاں ۷: ۷۵

۷۔ سید صباح الدین، ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص: ۱۶۴ حصہ اول ص: ۲۵ حصہ دوم

۸۔ سید سلیمان ندوی، خطبات شبلی، ۱۱۵-۱۱۶ مطبوعہ اعظم گڑھ

۹۔ یہ اقتباس ڈاکٹر ایشوری پرشاد ٹوپا کی کتاب " پالیٹکس ان دی موغل ٹائمز سے لیا گیا ہے۔ سر تیج بہادر سپرو نے اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں فاضل مؤلف کی لیاقت، صلاحیت اور زاویہ نگاری کی پوری داد دی ہے۔

حوالہ کیلئے دیکھیئے ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک مؤلفہ سید صباح الدین ص: ۲۶۳ تا ۲۷۴

۱۰۔ محولہ بالا ص: ۲۷۵ تا ۲۷۶

۱۱۔ محولہ بالا ص: ۳۲۵ تا ۳۲۹

۱۲۔ محولہ بالا ص: ۲۰۶ تا ۲۰۷

۱۳۔ ہسٹوریننز ہسٹری آف دی ورلڈ: ۲۲: ۲۲ تا ۳۱

۱۴۔ سید صباح الدین، ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں: ۱: ۱۵۴، ۱۵۵ مطبوعہ اعظم گڑھ

۱۵۔ اردو ترجمہ، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج: ۵ ص: ۴۸۹، ۴۹۰ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور

۱۶۔ البقرۃ: ۱۷۹

۱۷۔ کتاب الدیات مؤلفہ ضحاک مطبوعہ ۱۳۲۳ھ بمصر ص: ۳۰

۱۸۔ محولہ بالا

۱۹۔ ہدایہ، ج: ۴، ص: ۶۴۰

۲۰۔ ہدایہ، ج: ۴، ص: ۶۴۱

۲۱۔ ہدایہ، ج: ۴، ص: ۶۴۱

© rasailojaraid.com